قرآن مجید اور رمضان المبارک کا ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ایک خطابِ جمعہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ رمضان المبارک کے بعد، شوال المکرم ۱۴۰۵ھ کو پانچ یوم کے دعوتی دورے سے کراچی تشریف لائے تھے۔ اس دوران ۹ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ (۲۸، جون ۸۵) کے جمعہ کو موصوف نے شمالی ناظم آباد بلاک اے کی وسیع و عریض جامع مسجد میں اس مناسبت سے کہ ماہ رمضان المبارک کو گزرے آٹھ روز ہوئے تھے، مندرجہ بالا موضوع پر خطابِ جمعہ ارشاد فرمایا۔ جسے کیسٹ سے منتقل کر کے قدرے حک و اضافہ کے ساتھ استفادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے (جمیل الرحمٰن)

الحمد للہ۔ الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ افضلھم وخاتم النبیین محمدٍ الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ــــ امّا بعد

فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی سورۃ یونس:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۔ صدق اللہ العظیم

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَیُشَفَّعَانِ ــــ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ۔ اللھم ربنا الھمنا رشد نا واعذنا من شرور انفسنا۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین یارب العلمین۔

حضرات! رمضان المبارک کو رخصت ہوئے ابھی صرف آٹھ دن ہوئے ہیں۔ میں نے اس کی مناسبت سے آج کے لیے یہ طے کیا کہ رمضان المبارک کی فضیلت کی جو بنیاد اور اساس ہے اور قرآن مجید کی جس عظیم آیتِ مبارکہ میں رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا حکم وارد ہوا ہے اور اس کا اختتام جس موضوع پر ہوا ہے، اس کے ضمن میں کچھ باتیں اختصار کے ساتھ گوش گزار کروں — روزہ ایک عظیم عبادت ہے۔ اس کی اپنی جگہ ایک حکمت ہے۔ اس کے مقصد اور اس کی غرض وغایت کا معاملہ ہے۔ سال کے کسی بھی مہینہ کو اس عبادت کے لیے منتخب کر لیا جاتا تو روزہ کا جو اصل مقصد ہے وہ حاصل کیا جاسکتا تھا یعنی ضبطِ نفس، تقویٰ جیسا کہ ارشاد فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ یعنی یہ کہ انسان میں یہ صلاحیت اور یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے حیوانی داعیات اور تقاضوں پر قابو رکھ سکے۔ اس میں جو حیوانی جبلتیں (Animal Instincts) ہیں، اور یہ حیوانی جبلتیں اندھی اور بہری ہیں۔ انہیں صحیح و غلط، جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں تمیز کی صلاحیت حاصل نہیں ہے۔ پیٹ کھانے کو مانگتا ہے اُسے تو کھانے کو چاہیئے۔ اس کو اس سے غرض نہیں کہ وہ جائز ہے کہ ناجائز ہے۔ حلال سے حاصل کیا گیا ہے یا حرام سے۔ اسی طرح انسان کی جنسی خواہش ہے جب یہ انگڑائیاں لیتی ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ انسان بالعموم اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ تو اپنے اس جذبہ کی تسکین چاہتا ہے اس کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ جائز کیا ہے ناجائز کیا ہے! اب اگر کوئی شخص اپنے ان حیوانی تقاضوں کا محکوم اور غلام بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کے روپ میں اصل میں وہ حیوان ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ کثیر تعداد میں انسان ایسے ہیں کہ جن کی اصل حیثیت یہ ہے کہ: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ "وہ چوپاؤں کے مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے"۔ درحقیقت انسان کہلانے کا حقدار وہ ہے کہ جس کی خودی اتنی قوی ہو کہ وہ اپنے وجود پر حاکم ہو۔ اپنی حیوانی جبلتوں کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ اپنے نفس کے تقاضے پورے کرے لیکن صرف جائز ذرائع سے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک مسلمان کے لیے قانونی اور جائز طریقہ کیا ہے! صرف وہی جس کی اجازت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمائی ہے۔ بہرحال روزے کی اصل غرض و غایت یہ ہے۔

میں نے عرض کیا کہ تیس روزے اگر کسی مہینہ میں بھی رکھ دیئے جاتے تو یہ مقصد تو حاصل ہو جاتا۔ لیکن اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک اضافی حکمت یہ شامل فرمائی کہ اس عظیم عبادت کے لیے مہینہ وہ منتخب فرمایا جو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نزولِ قرآن کا مہینہ ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ " رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" ۔ وہ قرآن کیا ہے! هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ " یہ (قرآن) لوگوں کے لیے صحیح راستہ بتانا اور صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ یہ (قرآن) ہے حق و باطل کے درمیان کھلے دلائل کے ساتھ امتیاز کرنے والی ہدایت ۔" اب اس مہینہ کے روزے رکھو۔ اضافی طور پر اس میں رات کا قیام شامل کر دیا گیا۔ احادیث میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں بالکل متوازی بیان ہوتی ہیں جیسے فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ " جس کسی نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے (یعنی روزے کی تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اس کے لیے مغفرت ہے بخشش ہے، معافی ہے ان گناہوں کی جو اس نے پہلے کیے ۔" یہی بشارت رمضان کی رات کے قیام کے لیے دی گئی ۔ شروع میں میں نے آپ کو ایک حدیث سنائی تھی جو امام بیہقی حدیث کی اپنی کتاب ' شعب الایمان ' میں لائے ہیں ۔ میں وقت کی کمی کی وجہ سے اس حدیث کا صرف ترجمہ بیان کر دیتا ہوں ۔ جس سے مزید واضح ہو جائے گا کہ رمضان میں دن کا صیام اور رات کا قیام متوازی پروگرام ہیں ۔ ان کا چولی دامن کا تعلق ہے ۔ اب ترجمہ سماعت کیجیے :

" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کے حق میں سفارش کریں گے ۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما!) ۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت و مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا!) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا ۔"

میں نے جن احادیث کا حوالہ دیا ہے ان سے یہ بات مبرھن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اصل میں رمضان کا پروگرام دو آتشہ ہے ۔ دن میں صیام اور رات کو قیام ۔ اور یہ قیام صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ کا نہیں ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو درحقیقت صرف تین روز تہجد کے وقت صحابہ کرامؓ کو باجماعت وہ نماز ادا کرائی جسے اب صلوٰۃ التراویح سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد آپؐ نے روک دیا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے ۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

یہ آپؐ کی امت کے حق میں شفقت و رحمت ہے۔ بعد میں حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اصحاب الرائے اور اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورے اور اس تحقیق کے بعد کہ رمضان المبارک میں رات کی نفل نمازوں کا حضورؐ کا اکثر اور زیادہ معمول کیا تھا اور اس دلیل کی بنیاد پر کہ حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نبوت اور وحی کا سلسلہ ابدالآباد تک ختم ہوگیا لہذا اب کوئی عبادت فرض کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حضورؐ سے رمضان المبارک میں ان نوافل کی با جماعت ادائیگی ثابت ہے، انہوںؓ نے عشاء کی نماز کے بعد "صلوٰۃ التراویح" کا نظام قائم فرمایا جو آج تک جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ اِسے اس اصول کے تحت اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ ۔ کہ کم از کم یہ تو ہو جائے کہ صلوٰۃ التراویح مسلمان با جماعت ادا کریں اور سال بھر میں ایک مرتبہ اس طریقہ سے با جماعت قرآن مجید ختم کر لیا جائے۔

© rasailojaraid.com

لیکن یہ بات جان لیجئے کہ یہ کم سے کم ہے۔ حقیقت میں رمضان کی جو حکمت ہے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دن روزہ کی حالت میں بسر ہو اور رات قرآن مجید کے ساتھ قیام کرتے ہوئے گزرے۔ بہرحال ان دونوں چیزوں کا جو حاصل ہے اُسے قرآن مجید میں بایں الفاظ مبارکہ بیان کیا گیا: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ایک تو یہ کہ تم تعداد پوری کرو۔ یعنی سفر یا کسی مرض کی وجہ سے چند روزے چھوٹ جائیں تو بعد کے دنوں میں ان کی قضا ادا کرو۔ اور پھر صیام و قیام کے اصل حاصل کے متعلق فرمایا: لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ "اور تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو، اس کی کبریائی کو بیان کرو اس ہدایت پر جو اس نے تمہیں عطا فرمائی ہے"۔ یہاں تکبیر سے مُراد ہے گہرے احساس کے ساتھ اور دلی اعتراف کے ساتھ قرآن حکیم اور اللہ کی عظمت و جلالت کو تسلیم کرنا اور اپنے نفس کی جائز خواہشات سے بھی اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی کے لیے صیام و قیام کی صورت میں دست بردار ہو جانا۔ یہ گویا حال و قال دونوں شکلوں میں اللہ کی تکبیر ہے۔ آگے فرمایا: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ؁ "اور تاکہ تم شکر کر سکو"۔ تم پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام اور احسان ہے ہم پر کہ اس نے اپنی یہ کتاب ہدایت، قرآن مجید، فرقانِ حمید ہمیں عطا فرمائی ہے جب تک کہ اس انعام و اکرام و احسان و نعمت کی قدر و قیمت کا انکشاف نہیں ہوگا اس کی مناسبت سے ہم شکر ادا نہیں کر سکتے۔

"مفردات امام راغبؒ" کے نام سے امام راغب اصفہانیؒ کی ایک مشہور کتاب ہے جو عربی زبان میں بھی دستیاب ہے اور اُردو میں بھی اس کے تراجم موجود ہیں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں "شکر" کے موضوع پر بڑی پیاری بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شکر کے تین مدارج و مراحل ہیں۔ کسی نے آپ پر کوئی

© rasailojaraid.com

احسان کیا یا کسی نے آپ کو کوئی نعمت عطا کی ۔ اب شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آپ کے دل میں قدر ہو کہ کتنا بڑا احسان آپ پر کیا گیا ہے یا یہ کہ کتنی بڑی نعمت آپ کو دی گئی ہے ۔ یہ پہلا درجہ ہے اگر یہی نہیں ہے تو شکر کیا ادا کریں گے! میں اس کے لیے مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر کسی بچے کے ہاتھ پر کوئی ہیرا رکھ دیا جائے تو اس بے چارے کو کیا پتہ کہ یہ ہیرا ہے یا کانچ کا کوئی ٹکڑا! جس کو معلوم ہے کہ یہ ہیرا ہے تو وہ اس عنایت یا عطیہ کا شکر ادا کرے گا جیسا کہ اس کا شکر ادا کیا جانا چاہیئے ۔ اور جس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ ہیرا ہے، وہ اس احسان کی مناسبت سے شکریہ ادا نہیں کر سکے گا ۔ پس پہلی چیز یہ ہے کہ نعمت کی صحیح معرفت حاصل ہو کہ میرے منعم نے مجھے کتنی بڑی نعمت عطا کی ہے ۔ میرے محسن نے مجھ پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے ۔ یہ ہے شکر بالقلب ۔ یہ شکر کا پہلا درجہ ہے ۔ دوسرا درجہ ہے شکر باللسان ۔ کسی کی عطا کردہ نعمت اور کسی کے کیے گئے احسان کا ہم زبان سے شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ قرآن مجید کی جو عظمت اور قدر ہے، جس کا انکشاف ہم پر ہونا چاہیئے اس کی جو معرفت ہمیں حاصل ہونی چاہیئے اس کے لیے میں نے بالکل آغاز میں سورۂ یونس کی جن دو آیات کی تلاوت کی ہے ان کی تشریح و توضیح تو میں آگے بیان کروں گا ۔ لیکن قرآن مجید جیسی عظیم ترین نعمت کے نزول پر زبان سے جو شکر ادا ہونا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ ہے کہ وہ بھی اس نے قرآن مجید ہی میں ہمیں تلقین فرما دیا ۔ سورہ کہف کی پہلی آیت کو ذہن میں لائیے، فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ ”کل شکر کل ثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل فرمائی (قرآن نازل فرمایا) اور اس میں کوئی کجی، کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی“۔ بلکہ اسے ”کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ“ بنایا ۔ روشن کتاب، واضح کتاب، کھلی کتاب ۔ یہ گویا وہ شکریہ ہے جو اللہ نے ہمیں تلقین فرمایا کہ اس طرح میری جناب و حضور میں ہدیۂ تشکر پیش کرو ۔ اب تیسرا درجہ اس احسان کا کیا ہے اَلنِّعمت کا حق ادا کرنا ۔ اگر کسی طالب علم کو اس کے والد نے کوئی بہت اعلیٰ کتاب لا کر دی اور وہ بچہ بہت مہذب ہے اس نے فوراً اپنے والد کا شکریہ بھی ادا کر دیا ۔ لیکن اس کے بعد جو اس کتاب کو رکھا تو پھر کبھی کھول کر نہ دیکھا تو یہ کفرانِ نعمت ہے ۔ اس نے حقیقتاً اپنے والد کا شکریہ ادا نہیں کیا ۔ اس لیے کہ والد نے کتاب تو اس لیے دی تھی کہ وہ اس کو پڑھے، اس سے اپنے علم میں اضافہ کرے، اس میں جو اچھی اور عمدہ اخلاقی تعلیمات ہیں، پند و نصائح ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے ۔ اگر وہ یہ سب کچھ نہیں کر رہا تو حقیقت میں اس نے ناشکری کی ہے ۔ اس نے ناقدری کی ہے ۔ چاہے تہذیب کے ناطے سے اس نے زبان سے شکریہ ادا کر دیا ہو ۔ حاصل کلام یہ کہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے شکریہ ادا کرنے کے لیے یہ تین مراحل و مدارج بیان کیے ہیں ۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اب ہے وہ چیز جو اس رمضان کا اصل حاصل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ آیت مبارکہ جس کے ضمن میں میں یہ گفتگو کر رہا ہوں، ختم ہو رہی ہے اس پر کہ : لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ط۔ تاکہ تم پر عظمت قرآن کا انکشاف ہو۔ اور جب اس کی عظمت و جلالت کا تم پر انکشاف ہوگا تو تب ہی تم ہمارا حقیقی شکر ادا کر سکو گے۔ اتنا شکر کہ جتنا تم کو اس انعام عظیم پر کرنا چاہیئے۔ اب میں آپ میں سے ہر شخص سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے ذہن کو ٹٹولے، اپنے دل کی کیفیت کا جائزہ لے کہ اس پورے مہینے کی ریاضت سے اس کے تقویٰ میں، دین سے شغف میں، اللہ پر توکل میں، اللہ کے دین پر عمل کرنے کے معاملے میں اس کی زندگی میں کتنا اضافہ ہوا! اس کے روز و شب میں، اس کی سوچ میں، اس کے فکر میں اس کے اعمال و اشغال میں کتنی کچھ تبدیلی رونما ہوئی! آخرت کے محاسبہ کا کتنا خوف اسکو دامن گیر ہوا! اس دینِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی سربلندی اور اس کی اقامت کا کتنا جذبہ اور داعیہ اسکے دل میں بیدار ہوا! وہ دین جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا گیا مغلوب ہے، غریب ہے۔ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اس کا تمسخر کیا جا رہا ہے۔ اس کے احکام پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں۔ اس کے شعائر مٹائے اور بدلے جا رہے ہیں۔ معروفات کو دبایا اور منکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے والے غیر نہیں ہیں بلکہ اپنے ہیں۔ مسلمان کہلائے جانے والے ہیں۔

یوں تو رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں صیام و قیام اللیل کا پورے آداب و شرائط کے ساتھ اہتمام، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و احتساب سے تعبیر فرمایا ہے، محنت و مشقت طلب عبادت ہے ہی اور ہمارے معاشرہ میں بہت سے خوش نصیب لوگ ہیں جن کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہوگی کہ انہوں نے پورے مہینہ کی عبادت کو ادا کیا ہوگا۔ لیکن خاص طور پر اس سال یہ ریاضت کا معاملہ دو چند تھا اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ امسال کے مئی جون کے روزے بڑے ہی سخت تھے۔ آپ کے یہاں تو نسبتاً روزے کی سختی کم ہوگی۔ پنجاب میں اس سال رمضان میں جس شدت کی گرمی پڑی ہے شاید آپ اس کا پورا اندازہ نہ کر سکیں، لیکن کتنے اللہ کے بندے ہیں جنہوں نے اس کے باوجود صیام اور قیام اللیل کا اہتمام کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ مقصد حاصل ہوا جس کے لیے پورے ایک مہینہ کی یہ عبادت فرض کی گئی ہے! قرآن مجید روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ قرار دیتا ہے۔ وہ حاصل ہوا کہ نہیں!۔ تقویٰ کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی نافرمانی سے شعوری طور پر بچ بچ کر زندگی بسر کرنا اور دین کے اوامر پر عمل پیرا ہونے کی پوری پوری کوشش کرنا۔ تو بدقسمتی سے اکثر و بیشتر ہمیں نظر یہ آتا ہے کہ یہ خانہ خالی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ شاید

© rasailojaraid.com

کوئی مستثنیٰ ہو۔ کوئی لاکھ میں ایک یا ہزار میں ایک ایسا خوش نصیب ہو کہ جتنی تقویٰ کی پونجی اس کی ۹ یا ۱۰ شعبان کو تھی، تو پورا ماہ رمضان گزارنے کے بعد ۲۹ ویں رمضان کو اس میں کچھ اضافہ ہوا ہو۔ ہماری معاش جوں کی توں! اس میں اگر حرام کا کوئی جزو ہے تو وہ جوں کا توں! ہماری معاشرت جوں کی توں! ایسے بے پردگی اور بے حجابی ہے تو جوں کی توں! مجال نہیں کہ کسی بھی پہلو سے ہماری زندگی کے مشاغل اور معاملات میں اس ایک مہینہ کی شدید ریاضت کے باوجود بھی کوئی تبدیلی آئی ہو۔ گویا کہ رمضان کے روزے اور تراویح بھی ایک رسم محض (Rituals) بن کر رہ گئے ہیں کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

ہم نے اسلام کی عظیم ترین عبادات کو بھی محض رسوم بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہماری زندگی میں ان کی حیثیت بے مقصد رسوم سے زیادہ نہیں رہی۔ ان کا اصل ہدف، ان کا حقیقی مقصد، ان کی حکمت اور ان کی اصل غرض و غایت پیش نظر ہی نہیں رہی۔

میں یہاں ایک خاص بات اور عرض کر دوں۔ جس کی طرف ہمارے اچھے خاصے دینی شغف اور دینی مزاج رکھنے والوں کی بھی توجہ شاید ہی منتقل ہوتی ہو، اور اگر ہوتی بھی ہو تو اس اہمیت کے ساتھ نہیں ہوتی جو اس کا حق ہے، وہ بات یہ ہے کہ سورہ بقرہ کا تیئیسواں رکوع چھ آیات پر مشتمل ہے جس میں روزے کا ابتدائی حکم بھی اور آخری حکم بھی ہے، تفصیلی احکام بھی ہیں، روزے کی حکمتیں بھی ہیں اور اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ روزہ کی عبادت کے لیے رمضان کو کیوں منتخب کیا گیا! یہ ساری چیزیں بیان کرنے کے بعد اس رکوع کی چھٹی آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ تقویٰ کا اصل معیار کیا ہے! تم شکل و صورت اور وضع قطع سے کسی کے تقویٰ کا اندازہ کرتے ہو۔ تمہارا یہ تصور قابل اصلاح ہے، یہ درست ہے کہ اگر کوئی شخص وضع قطع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع میں آپ کے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتا ہے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ــــ لیکن اگر تقویٰ کا اصل معیار جاننا چاہتے ہو تو وہ چھٹی آیت ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور تم ایک دوسرے کے مال باطل و ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ اور اس کو بطور رشوت دے کر حکام رسی کا ذریعہ مت بناؤ کہ اس طرح دوسروں کے مال کا کچھ حصہ حق تلفی کر کے ہڑپ

© rasailojaraid.com

کرسکو دراں حالیکہ تم اس (حق تلفی) کو جانتے ہو۔"

وقت کی کمی کی وجہ سے تفصیل سے اس آیت کی تشریح و توضیح ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کا حاصل بیان کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔ یہ آیت اس پر دلالت قطعی ہے کہ اگر اکلِ حلال نہیں ہے تو تقویٰ نہیں ہے۔ نمازوں کی مقدار کتنی بھی آپ بڑھاتے چلے جائیں۔ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ آپ کرتے چلے جائیں۔ اگر اکلِ حلال نہیں ہے تو تقویٰ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ہے اصل پیمانہ! آخرت میں اس سے تولا اور ماپا جائے گا کہ تقویٰ ہے کہ نہیں! اکلِ حلال کی اہمیت ایک حدیث سے بھی سمجھ لیجیے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ حدیث قدرے طویل ہے اس کا آخری حصہ میری موجودہ بات سے متعلق ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ: ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ "پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک طویل سفر طے کر کے آیا ہے"۔ اَشْعَثَ اَغْبَرَ "سفر کے باعث پراگندہ مو اور غبار آلود ہے" [illegible] ان الفاظ مبارکہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کسی ایسے شخص کا ذکر فرما رہے ہیں جو حج کے لیے بیت اللہ شریف تک آیا اور پھر میدان عرفات تک پہنچا ہے: يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ "دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے"۔ اور کہتا ہے: يَارَبِّ يَارَبِّ "اے میرے پروردگار!"۔ لیکن کیفیت یہ ہے کہ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ "اور اس کا کھانا حرام کا ہے اور اس کا پینا حرام کا ہے اور اس کا پہننا حرام کا ہے"۔ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ "اور (الغرض) اس کا جسم پرورش پایا ہے حرام سے"۔ اَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔ "لہٰذا ایسے شخص کی دعا قبول ہو تو کیسے ہو!"۔۔۔ اس آیت اور اس حدیث کو پیشِ نظر رکھیے اور اس اعتبار سے معاشرہ کا جائزہ لیجیے تو واقعہ یہ ہے کہ بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ رمضان آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور ہماری جو حالت رہتی ہے اس کے اظہار کے لیے میں یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

اس آرزو کے باغ آیا نہ کوئی پھول
اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے۔

نیکیوں کا موسم بہار ہر سال آتا ہے اور چلا جاتا ہے لیکن ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

دوسری چیز جو ہر مسلمان کو حاصل ہونی چاہیئے وہ ہے قرآن مجید کی عظمت کا انکشاف: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اس اعتبار سے بھی ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ کچھ پلّے پڑا کہ نہیں پڑا! قرآن مجید سے محبت اور قلبی تعلق میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں! قرآن مجید کی طرف پہلے سے زیادہ کچھ توجہ ہوئی یا نہیں ہوئی! قرآن مجید کی تلاوت کے لیے [illegible] پہلے سے زیادہ کچھ آمادگی پیدا ہوئی یا نہیں ہوئی! قرآن مجید پر

ؒ [illegible] نے لکھا ہے کہ حالتِ سفر کی پراگندگی اور مسکینی والے شخص کی دعا جلد قبول ہوتی ہے (مرتب)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

غور و تدبر کرنے کے لیے عربی زبان سیکھنے کا دل میں کوئی داعیہ پیدا ہوا یا نہیں ہوا!

عظمتِ قرآن کا بیان قرآن مجید میں بکثرت ہوا ہے۔ مختلف اسالیب سے ہوا ہے۔ مختلف پہلوؤں سے ہوا ہے۔ کسی شے کی عظمت ایک اس پہلو سے ہو سکتی ہے کہ اس کا اصل منبع (Source) کیا ہے! کہاں سے وہ چیز ملی ہے!! تو یہ قرآن کہاں سے آیا ہے! یہ کلام ربانی ہے۔ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ یہ گویا اللہ کی ایک صفت ہے اور اس تبارک و تعالیٰ کا ہم پر کس قدر عظیم احسان ہے کہ اس طریقہ سے اس نے ہمارے سامنے ہماری زبان کے حروف و اصوات میں اپنا کلام پیش فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کیف وکم[1] سے ماوراء ہے۔ بلند ہے اُس کی ہر صفت میں ایک اطلاقی شان ہے۔ لیکن اللہ نے انسانی زبان کے حروف و الفاظ اور اُن کی اصوات میں اپنی ایک صفت کو متشکل فرمایا اور وہ ہمیں عطا فرما دی یہ ہے قرآن کی وہ عظمت جو سورۂ حشر میں بیان ہوئی: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ "یہ قرآن اگر ہم اتارتے ایک پہاڑ پر تو تم دیکھ لیتے کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کی خشیت سے، اس کے ڈر سے"۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جب یہ درخواست کی تھی کہ پروردگار! ذرا دیدار بھی عطا ہو جائے۔ پہلی بار بھی یہاں مجھے کلام کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اب پھر تو نے طلب فرمایا تو ذرا دیدار کا شرف بھی عطا ہو جائے: رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ کیا جواب ملا!: لَنْ تَرٰىنِیْ "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے"۔ تم میری دید کا تحمل نہیں کر سکتے۔ لیکن ذرا اُس پہاڑ کی طرف دیکھو، ہم اپنی ایک تجلی اس پر ڈالیں گے۔ اگر وہ پہاڑ اُسے برداشت کر جائے تو تم بھی سمجھنا کہ شاید ہمارے دیدار کا تم تحمل کر سکو۔ لیکن ہوا کیا! فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ "پھر جب اس کے رب نے تجلی کی پہاڑ کی طرف تو اس کو ڈھا کر برابر کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے"۔ ایک بالواسطہ (Indirect) مشاہدہ ہے۔ وہ تجلی براہِ راست حضرت موسیٰؑ پر نہیں ہے، پہاڑ پر ہے لیکن اس بالواسطہ مشاہدہ کا حاصل یہ ہوا ہے جس کا نقشہ اس آیت کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے جو ابھی میں نے آپ کو سنائے۔ سورۂ حشر کی آیت میں اس کیفیت کو بطور تمثیل بیان فرمایا۔ اس لیے کہ کلام اللہ کی صفت ہے۔ جو اُس ذات تبارک و تعالیٰ کی تجلی کی کیفیت ہے جس کا مشاہدہ حضرت موسیٰؑ کو کرایا گیا وہی تجلی کی کیفیت قرآن مجید میں مضمر ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ہمارے قلوب حساس نہ ہوں۔ ہم اس کا شعور و ادراک نہ کر سکیں۔ ورنہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

---

[1] کیف وکم یعنی Quality and Quantity (مرتب)

قرآن مجید کی یہ عظمت کس اعتبار سے ہے! اس اعتبار سے کہ اس کا منبع کون ہے! جس ہستی کا یہ کلام ہے، اس کی جلالت و عظمتِ شان کا عالم کیا ہے! عربی کا ایک مقولہ ہے: کَلَامُ الْمُلُوْکِ مُلُوْکُ الْکَلَامِ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تو یہ کون سا بادشاہ ہے! یہ تو شہنشاہِ ارض و سماوات کا کلام ہے وہ کہ جو اس پورے سلسلۂ کون و مکان کا خالق و مالک ہے۔

قرآن مجید کی عظمت کا ایک اور بیان سورۂ یونس کی ان دو آیتوں میں ہے جن کی تلاوت میں نے بالکل آغاز میں آپ کے سامنے کی تھی۔ یہاں قرآن کی عظمت کا بیان اس پہلو سے ہے کہ قرآن میں انسانوں کے لیے افادیت کے پہلو کون سے ہیں! اللہ کا کلام ہونے کے اعتبار سے اس کی عظمت اور اس کی جلالتِ شان کا ایک اندازہ دینے کے لیے تو وہ تمثیل بیان ہوئی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں اس لیے کہ مطالب کی ادائیگی کے لیے انسانی زبان اور الفاظ کے جو محدود پیمانے ہیں، وہ اس بات کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے کہ قرآن کی عظمت کو بیان کیا جا سکے۔ چنانچہ سورہ حشر کی جو آیت میں نے آپ کو سنائی ہے اس کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ پر: "وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ٥" یہ تو مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے اس لیے بیان کر دیتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔" تمثیل بیان کی جاتی ہے ابلاغ کے لیے ایک اندازہ دینے کے لیے۔ اور یہ درحقیقت ہماری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمثیل کا محتاج نہیں وہ تو العلیم ہے، السبحان ہے، القدوس ہے۔ چنانچہ سورۂ نور کی پینتیسویں آیت کے آخر میں اسے بھی واضح فرما دیا گیا بایں الفاظ: وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٥" اور اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

(جاری ہے)

بقیہ:- ہدایت القرآن

تو حق پر وہ ہوں گے جن کے کام ہو جاتے ہیں اور سب لوگ باطل پر ہوں گے جن کے کام نہیں ہوتے ہیں اور پھر کون ایسا شخص ہے کہ جس کے سارے کام ہو جاتے ہیں، سبھی کے کچھ کام ہوتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتے ہیں اس بنا پر سبھی باطل پر قرار پائیں گے جس کو کوئی بھی نہیں تسلیم کرتا ہے۔

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com